Fikr-o-Nasar vol.1:6 (1963)

# حدیث اور اھل السنۃ و الجماعۃ

( ڈاکٹر فضل الرحمان )

( حدیث پر سلسلۂ مقالات کی یہ چوتھی کڑی ھے - آئندہ شمارہ میں اس کی پانچویں اور آخری قسط پیش خدمت کی جائے گی جس میں پچھلے تمام مباحث کے نتائج درج ھوں گے - اس کی اشاعت کے انتظار کی زحمت فرمائیں - )

اسلام کی مذھبی تاریخ کی ایک نمایاں خصوصیت، جسے پیش نظر رکھنا اور جس کی اھمیت کو پہچاننا اس تاریخ کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے لازمی ھے، یہ ھے کہ جس لمحہ سیاسی، کلامی، اور فقہی اختلافات سے امت کی وحدت کا شیرازہ منتشر ھونے لگا، اسی وقت اس وحدت کی حفاظت کا جذبہ اور تصور بھی قوت پکڑنے لگا - یہ عقیدہ کہ یہ وحدت ایک مخصوص قسم کی ترکیب یا آمیزہ (Synthesis) ھوگی اور یہ میانہ روی اور اعتدال کا راستہ ھوگا' اس تصور کا منطقی اور لازمی نتیجہ ھے - اس مفہوم کو بعد میں لفظ ''سنت'' کے ذریعہ ظاھر کیا گیا - یہی وجہ ھے کہ الفاظ ''السنت والجماعت'' نہ صرف ھمیشہ ساتھ ساتھ استعمال کئے جاتے ھیں، بلکہ ان میں لزوم کا رشتہ بھی پایا جاتا ھے -

ابتدا ھی سے '' اھل السنت والجماعت '' کہلانے والے گروہ کے پیش نظر بنیادی کام یہ نہ تھا کہ مذھبی حقائق کی تعیین و تعریف کرکے انھیں دوسروں پر مسلط کرے' بلکہ امر کا مقصد تو صرف یہ تھا کہ وہ انھیں استحکام بخشے اور مناسب طریقہ پر ان کی توضیح و تشریح کرے - اسی طرح اس کے سامنے یہ مقصد بھی نہ تھا کہ وہ انسان اور خدا کے درمیان ایک واسطہ کی حیثیت اختیار کرلے' نہ یہ تھا کہ وہ مختلف مذھبی گروھوں کے کلامی یا فقہی تنازعوں کے مابین خود ایک فریق کی حیثیت اختیار کرلے بلکہ اس کے پیش نظر تو یہ تھا کہ ان گروھوں کے درمیان توازن پیدا کرکے جہاں تک ممکن ھو انھیں اعتدال اور

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad.
http://iri.iiu.edu.pk/

میانه روی سے تجاوز نہ کرنے دے - اهل السنت کے نظام فکر و عمل کی تشکیل کے اس مہتم بالشان عمل میں جن لوگوں نے سب سے زیادہ موثر حصہ لیا وہ اهل الحدیث هی تھے -

سیاسی جنگوں اور ان کے بعد جو کلامی بحثیں چھڑیں، ان کے نتیجہ میں ایک خاص قسم کی احادیث کا نشو و نما هوا جن میں پیش گوئی کی کیفیت پائی جاتی هے - اس قسم کی احادیث کو " احادیث الفتن " کے نام سے موسوم کرتے هیں اور یہ حدیثیں اس خانہ جنگی سے متعلق هیں جو حضرت عثمان رض کے بعد شروع هوئی - ان احادیث کا مقصد صاف طور پر یہ نظر آتا هے کہ خوارج اور اهل تشیع کی سیاسی اور کلامی انتہا پسندیوں کے مابین ایک درمیانی راستہ پیدا کیا جائے -

مسلمانوں کی سیاسی خانہ جنگی سے متعلق ان احادیث کے لئے وجہ جواز پیش کرنے کی غرض سے بعض ایسی احادیث کی اشاعت کی گئی، جو اس نوعیت کی تمام حدیثوں پر حاوی هیں - مثلاً : حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حسب ذیل حدیث :-

عن حذيفة قال : قام فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم مقاماً ما ترك شيئاً يكون في مقامه ذالك الى قيام الساعة الا حدث به حفظه من حفظه ونسيه من نسيه قد علمه اصحابي هؤلاء وانه ليكون منه الشئ قد نسيته فاراه فاذكره كما يذكر الرجل وجه الرجل اذا غاب عنه ثم اذا رآه عرفه - (متفق عليه)

یعنی " رسول اللہ صه ایک بار ( هم سے خطاب کرنے کے لئے ) همارے درمیان اس طور پر کھڑے هوئے کہ انهوں نے اپنے خطبہ میں کوئی ( اهم ) بات نہیں چھوڑی جو تا قیامت واقع هوسکتی هو اور جس کا تذکرہ آپ صه نے اپنے خطبہ میں نہ کیا هو - کچھ لوگ هیں جنهوں نے اس خطبہ کو یاد رکھا اور بعض لوگ اسے بھول گئے - اس میں بعض باتیں ایسی هیں کہ جب کبھی سامنے آجاتی هیں تو میرے حافظہ میں تازہ هوجاتی هیں، جس طرح کسی آدمی کو ایسے شخص کی صورت کا موهوم سا خیال هو جس کو اس نے عرصہ دراز پہلے دیکھا تھا، لیکن اگر وهی آدمی سامنے آجائے تو وہ اسے فو

پہچان لیتا ہے۔" یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہے۔ (۱) اسی مضمون کی ایک اور روایت یہ ہے :۔

عن حذيفة قال : والله ما أدري انسى اصحابي ام تناسوا والله ما ترك رسول الله صلي الله عليه وسلم من قائد فتنة الى ان تنقضى الدنيا يبلغ من معه ثلثمائة فصاعداً الاقد سماه لنا باسمه واسم ابيه واسم قبيلته (رواه ابوداؤد)

یعنی " ابو داؤد نے حضرت حذیفہ رض سے یہ روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا : میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھی ( سچ مچ ) بھول گئے یا وہ ظاہر یہ کرتے ہیں کہ انھیں یاد نہیں رہا۔ خدا کی قسم رسول اللہ ص نے تو روز قیامت تک برپا ہونے والے سیاسی تنازعہ کے ہر اس رہنما کی شناخت، اس کے اپنے اور اس کے آبا، واجداد کے اور قبیلے کے ناموں کی تفصیل کے ساتھ کرادی تھی، جس کے متبعین کی تعداد تین سو یا اس سے زیادہ تک پہنچی ہو۔" (۲)

حدیث فتن کا ایک مثالی نمونہ بخاری اور مسلم کی حسب ذیل روایت ہے جو ان ہی حضرت حذیفہ رض سے مروی ہے :-

[سمعت حذيفة بن اليمان يقول] كان الناس يسئلون رسول الله صلي الله عليه وسلم عن الخير وكنت أسأله عن الشر مخافة ان يدركني فقلت : يا رسول الله انا كنا في جاهلية و شر فجاءنا الله بهذ الخير فهل بعد هذا الخير من شر؟ قال: نعم قلت: فهل بعد ذالك الشر من خير؟ قال: نعم وفيه دخن قلت: وما دخنه؟ قال: قوم يستنون بغير سنتي ويهدون بغير هدى تعرف منهم وتنكر— قلت: فهل بعد ذالك الخير من شر؟ قال: نعم دعاة على ابواب جهنم من اجابهم اليها قذفوه فيها قلت: يا رسول الله صفهم لنا قال: هم من جلدتنا ويتكلمون

بالسنتنا قلت : فما تامرني ان ادركني ذالك قال : تلزم جماعة المسلمين وامامهم قلت : فان لم تكن لهم جماعة ولا امام قال : فاعتزل تلك الفرق كلها ولو ان تعض باصل شجرة حتي يدركك الموت وانت على ذالك ( متفق عليه ) وفي رواية لمسلم قال : يكون بعدی ائمة لا يهتدون بهدای ولا يستنون بسنتي وسيقوم فيهم رجال قلوبهم قلوب الشياطين في جثمان انس ۔ قال حذيفة قلت : كيف اصنع يا رسول الله ان ادركت ذالك قال : تسمع وتطيع الامير وان ضرب ظهرك واخذ مالك فاسمع واطع ۔

یعنی " حضرت حذیفہ بن الیمان رض کہتے تھے کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے متعلق سوال کرتے تھے اور میں آپ سے شر کی نسبت پوچھا کرتا تھا مبادا میں خود اس میں مبتلا ہوجاؤں ۔ اس لئے ایک مرتبہ میں نے سوال کیا : یا رسول اللہ پہلے ہم جہالت اور بدی میں مبتلا تھے پھر ( آپ کے ذریعہ ) خدا نے ہمیں بھلائی عطا کی ۔ کیا اس کے بعد ایک مرتبہ پھر بدی کا دور ہوگا ؟ رسول اللہ ص نے فرمایا : ہاں ۔ ایسا ہی ہوگا ۔ میں نے دریافت کیا : کیا بدی کے بعد پھر نیکی کا فروغ ہوگا ؟ رسول اللہ ص نے فرمایا : ہاں ۔ لیکن اس میں برائی کی بھی آمیزش ہوگی ۔ میں نے سوال کیا : آمیزش کس قسم کی ہوگی ؟ رسول اللہ ص نے فرمایا : بعض لوگ میری سنت کو چھوڑ کر دوسرے طریقوں کا اتباع کریں گے ، اور لوگوں کو اس راہ پر چلائیں گے جس پر میں نے انھیں نہیں چلایا تھا ۔ ان کے بعض اعمال اچھے ہوں گے اور بعض برے ۔ میں نے پھر رسول اللہ ص سے دریافت کیا : کیا خیر و شر کے اس امتزاج کے بعد برائی پھر پھیل جائے گی؟ آپ نے جواب دیا : ہاں ۔ کچھ لوگ دوزخ کے دروازے پر کھڑے نئی نئی باتیں پھیلائیں گے ۔ جو شخص ان کی بات سنے گا اسے وہ اٹھا کر جہنم میں ڈال دیں گے ۔ میں نے رسول اللہ ص سے کہا : ان لوگوں کی کیفیت بیان فرمائیے ۔ رسول اللہ ص نے فرمایا : یہ لوگ ہماری نسل ہی سے ہوں گے اور

ھماری ھی زبان میں بات کریں گے۔ میں نے پوچھا : اگر میں اپنے آپ کو اس صورت حال سے دو چار پاؤں، تو ایسی حالت میں میرے لئے آپ کیا حکم دیں گے؟ آپ نے جواب میں فرمایا : مسلمانوں کے سواد اعظم اور سیاسی رھنماؤں سے متمسک رھو۔ میں نے دریافت کیا : لیکن اگر ان کا کوئی اکثریتی گروہ نہ ھو اور نہ کوئی سیاسی رھنما، تب کیا کروں؟ رسول اللہ ص نے فرمایا : ایسی صورت میں تمام گروہ بندیوں سے کنارہ کش ھوجاؤ، خواہ تمھیں کسی درخت کی جڑوں سے چمٹ کر کیوں نہ رھنا پڑے، تا آنکہ تم کو موت آجائے۔'' (۳) اسی حدیث کی ایک دوسری شکل جس کو امام مسلم رح نے اپنی صحیح میں روایت کیا ھے، یہ ھے۔ ''میرے بعد ایسے سیاسی رھنما پیدا ھوں گے، جو میری ھدایت کی پیروی نہیں کریں گے اور ان میں ایسے لوگ بھی پیدا ھوں گے جن کا جسم تو انسانوں کی مانند ھوگا مگر ان کے دل شیاطین کے ھوں گے۔ حذیفہ رض کہتے ھیں، میں نے رسول اللہ ص سے دریافت کیا : یا رسول اللہ ایسی صورت حال میں مجھے کیا کرنا چاھیے؟ اس پر رسول اللہ ص نے جواب دیا : وقت کے سیاسی رھنما کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو، اور خواہ وہ تمھاری پشت پر کوڑے ھی کیوں نہ لگائے، اور تمھارا سرمایہ ضبط کرلے تمھیں اس کی بات سننی چاھئے اور اس کے احکام کی اطاعت کرنی چاھئے''۔ (۴)

مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کو رسول اللہ ص کے واقعی ارشادات کی حیثیت سے قبول کرنا ممکن نہیں۔ اسی طرح اس حدیث کو بھی ارشاد نبوی کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا جاسکتا، جو ان دونوں سے پہلے گزر چکی ھے اور جو پیش گوئی کرنے والی احادیث کا مرکزی ستون ھے۔ مجموعی طور پر ان سب احادیث کی تعلیم یہ ھے کہ مسلمان اکثریت سے کٹ کر الگ نہ ھوں۔ اور بہر قیمت سیاسی رھنماؤں کی اطاعت کرتے رھیں بجز اس کے کہ ایسا کرلے سے صریحی کفر لازمی آئے۔ اس طرح ھم دیکھتے ھیں کہ اجماع (تمسک بالجماعت) سے متعلق جو احادیث ھیں وہ خانہ جنگی کے اس زمانے کے شدید سیاسی تقاضے پر مبنی ھیں۔ یہ حکم کہ اگر حاکم وقت عدل و انصاف کے خلاف کام کر رھا ھو تو بھی اس کی اطاعت کرنی ضروری ھے اس زمانے کے لحاظ سے یقیناً ایک دانشمندانہ مشورہ تھا اور مسلسل خانہ جنگیوں

سے پیدا ہونے والے سیاسی تقاضوں کا لازمی نتیجہ تھا - اس کا خطاب خاص طور پر ان لا علاج باغیوں کی طرف تھا جنہوں نے بغاوت کو پیشے کے طور پر اختیار کرلیا تھا اور جنہیں تاریخ ”خوارج“ کے نام سے جانتی ہے -

خارجیت کی مخالف احادیث کی نمائندہ حدیث وہ ہے جو خارجیوں کی باغیانہ فطرت کے بالمقابل مکمل انفعالیت، سکون پسندی اور دنیا سے کنارہ کشی کی تعلیم دیتی ہے - صحیح مسلم کی یہ حدیث درج ذیل ہے :-

عن أبي بكرة قال : قال رسول الله ستكون فتن القاعد فيها خير من القائم والقائم فيها خير من الماشي والماشي فيها خير من الساعی ( الی آخر الحديث ) - رواه مسلم

یعنی ”حضرت ابو بکرۃ رض سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ خانہ جنگیوں کا ایک دور آئے گا جب گھر بیٹھنے والا آدمی کھڑے رہنے والے سے بہتر ہوگا، اور کھڑا رہنے والا آدمی راستہ چلنے والے سے بہتر ہوگا، اور جو شخص راستہ چلے گا وہ دوڑنے والے آدمی سے بہتر ہوگا الخ -“ (۵) یہ حدیث خارجیوں کی فعالیت اور سیاسی امور سے ان کی دلچسپی کا توڑ کرتی ہے - واقعہ یہ ہے کہ بعض اوقات ایسی احادیث جن میں دنیا سے الگ تھلگ رہنے کی تعلیم دی گئی ہے، عقیدۂ اجماع کو بالکل باطل کردیتی ہیں اور خالص انفرادیت کی تعلیم دیتی ہیں - مثلاً رسول اللہ ص سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رض کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا :

عن عبدالله بن عمرو ان النبي صلى الله عليه وسلم قال : كيف بك اذا ابقيت فی حثالة من الناس مرجت عهودهم و اماناتهم واختلفوا فكانوا هكذا وشبك بين اصابعه قال: ماتامرني قال: عليك بما تعرف ودع ما تنكر وعليك بخاصة نفسك واياك وعوامهم وفی رواية الزم فی بيتك واملك عليك لسانك وخذ ما تعرف ودع ما تنكر وعليك بامر خاصة نفسك ودع امر العامة ( رواه الترمذي وصححه)

یعنی " عبداللہ بن عمرو بن العاص رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ اگر خدا نے تم کو اتنے عرصہ زندہ رکھا کہ تم اپنے آپ کو چھٹے ہوئے آدمیوں میں پاؤ کہ جن کے نہ عہد و پیمان کا کوئی بھروسہ ہو نہ امانتوں کی دیانت کا اور وہ ایک دوسرے سے یوں گتھم گتھا ہوں جیسے (اشارہ کرتے ہوئے آپ ص نے فرمایا) یہ انگلیاں ۔ تو بتاؤ کہ تم ( ان حالات میں ) کیا کروگے ؟ عبداللہ بن عمرو نے جواب میں عرض کیا کہ آپ کا کیا حکم ہے؟ آپ ص نے فرمایا کہ جو بات تمہارے نزدیک معروف ہو (جو تمہیں اچھی لگتی ہو) اسے اختیار کرنا اور جو تمہارے نزدیک منکر ہو ( جو تمہیں بری نظر آتی ہو ) اسے ترک کردینا ۔ تم خاص اپنے نفس ( یعنی ضمیر ) کی پیروی کرنا اور عوام ( عامۃ المسلمین ) کے کہنے میں نہ آنا ۔ ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اپنے گھروں میں جمے رہنا اور اپنی زبانوں پر قابو رکھنا ۔ جو چیز تمہیں اچھی نظر آئے اسے اختیار کرلینا اور جس کو تم اچھا نہ سمجھو اسے ترک کردینا ۔ صرف اپنے کاروبار سے واسطہ رکھنا اور امور عامہ میں نہ پڑنا ۔ (۹) یہاں لائق توجہ امر یہ ہے کہ ابتدائی دور کی عربی تحریروں میں ''العامہ'' اور ''الجماعۃ'' کے الفاظ مترادف سمجھے جاتے رہے ہیں ۔

لیکن سنیوں کی تمام احادیث یکسر مخالف خوارج نہیں ہیں مثلاً امام احمد بن حنبل رح، ابو داؤد رح، ترمذی رح اور ابن ماجہ رح نے ایک حدیث روایت کی ہے جس میں ایک ایسے سیاسی عقیدہ کا نفوذ پایا جاتا ہے جو بلا شبہہ خارجی لاصل ہے ۔ اس حدیث کی عبارت درج ذیل ہے :—

عن العرباض بن سارية . . . . فقال ( رسول الله صلى الله عليه وسلم ) اوصيكم بتقوي الله والسمع والطاعة وان كان عبداً حبشياً فانه من يعش منكم بعدى فسيري اختلافاً كثيراً فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ (الى آخر الحديث) رواه احمد وابوداؤد والترمذي

یعنی " حضرت عرباض بن ساریہ رض سے روایت ہے کہ ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری (آخری) نصیحت یہ ہے کہ خدا سے ڈرتے رہو اور اپنے سیاسی رہنما کی کامل اطاعت کرو، اگرچہ وہ کوئی سیاہ فام حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو ۔ میرے بعد جو لوگ زندہ رہیں گے وہ (مسلمانوں میں) شدید اختلافات رونما ہوتے دیکھیں گے - ایسی حالت میں میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کا التزام کرنا اور اسے دانتوں سے (خوب مضبوطی سے) پکڑ رکھنا -" (۷)

اس حدیث میں مکمل سیاسی اطاعت کا جو حکم پایا جاتا ہے وہ مخالف خوارج ہے لیکن استحقاق حکومت کے دائرہ کو " سیاہ فام حبشیوں " تک وسعت دیدینا خارجی عقیدہ کے نفوذ کی اتنی واضح علامت ہے کہ سطحی نظر رکھنے والا آدمی بھی اسے محسوس کر سکتا ہے - کیونکہ سنیوں کا عقیدہ تھا کہ سارے ائمہ (یعنی سیاسی رہنما) صرف قریش میں سے ہونگے - جب کہ اہل تشیع امامت کو صرف اہل بیت کے لئے مخصوص سمجھتے تھے- صرف خوارج ہی اس بات کے قائل تھے کہ سیاسی امامت و رہنمائی کا حق ہر مسلمان حاصل کر سکتا ہے "خواہ وہ سیاہ فام حبشیوں ہی میں سے کیوں نہ ہو" ان کے نزدیک اس حق کے حصول کی صرف ایک شرط تھی — اس عظیم منصب کے لئے اہلیت - یہ حقیقت کہ اہل السنۃ والجماعت نے اپنے عقیدہ میں بعض عناصر "دائیں بازو" سے اور بعض "بائیں بازو" سے لے کر داخل کر لئے ہیں صرف محولہ بالا حدیث تک محدود نہیں ، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ امتزاج اور اعتدال کی یہ حکمت عملی ہی اہل السنۃ والجماعۃ کا اصل الاصول ہے ۔

درمیانی راستے (صراط مستقیم) پر چلنے والی اکثریت (سواد اعظم) کا یہ تصور اگرچہ اولے ابتدائی مرحلہ میں سیاسی تقاضہ کی پیداوار تھا ، لیکن جب سیاسی دھڑے بندیوں کو عقائد ، فقہ ، اور اخلاق کی بنیادوں پر استوار کرنے کی کوشش ہونے لگی، تو اس تصور نے دینی عقیدہ اور فقہی مسلک کی شکل اختیار کر لی اور ایسا ہونا ناگزیر تھا - ہم نے اس سلسلہ مقالات کی پہلی قسط میں پایا ہے کہ بعض کلامی مباحث کے سلسلہ میں امام ابو حنیفہ رح نے اپنے آپ کو " اہل العدل والسنۃ" (یعنی توازن اور توسط اختیار کرنے والوں) میں

شمار کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیں اس قسم کی اصطلاحات بھی یاد رکھنی چاہئیں جیسے الجماعۃ من الحدیث (یعنی وہ حدیث جو اکثریت کے نزدیک مسلم الثبوت ہو یا حدیث کی مجموعی نوعیت) یا السنۃ المعروفۃ کی اصطلاح جسے امام ابو یوسف رح ایسی ''اجتماعی'' احادیث کو مبہم اور شاذ آراء سے ممیز کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں - اسی طرح اصطلاح ''العامۃ'' بھی انہیں معنوں میں استعمال کی گئی ہے۔

افکار و عقائد کی یہ نزاع فی الواقع نہایت شدید نوعیت کی تھی - نہ صرف اس وجہ سے کہ اسلامی تاریخ میں کلامی اور اخلاقی مسائل کے متعلق یہ پہلی نزاع تھی بلکہ اس وجہ سے بھی کہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ امت مسلمہ کی وحدت کے لئے شدید خطرہ تھی۔ نزاع کی بنیاد یہ تھی کہ مومن یا مسلم کی صحیح تعریف کیا ہے ؟ آیا کوئی شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب ہونے کے بعد بھی مسلمان رہ سکتا ہے ؟ خوارج نے نہ صرف گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر قرار دیا بلکہ وہ ایسے شخص کی تکفیر کے بھی قائل تھے جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے کو کافر قرار نہ دیتا ہو۔ مزید برآں وہ ایسے لوگوں کے خلاف جہاد کرنے کو فرض جانتے تھے۔ اس مہیب خطرہ کے مقابلہ میں ضرورت اس امر کی داعی ہوئی کہ اسلام کی کوئی ایسی جامع تعریف کی جائے جو مسلمانوں کی اکثریت (سواد اعظم) کے لئے قابل قبول ہو۔ ایسی تعریف لازماً وہی ہو سکتی تھی جو درمیانی راہ کی طرف رہنمائی کرے۔ اور ناگزیر تھا کہ یہی امر معیار حق و باطل بنے۔

خوارج کی غیر مصالحانہ مذہبی عصبیت کا پہلا رد عمل مرجیہ تحریک کی صورت میں رونما ہوا۔ مرجیہ عقیدہ جسے اغلباً اموی حکمرانوں کی حمایت حاصل تھی یہ تھا کہ جو شخص مسلمان ہونے کا دعویدار ہو، اسے اس کے اعمال کی بنا پر کافر قرار دینا جائز نہیں۔ اس کی باطنی کیفیت و حالت کا آخری فیصلہ خدا کے سپرد کر دینا چاہئے۔ واقعہ یہ ہے کہ امت کی بقاء کے لئے یہ ایک امر ناگزیر تھا کہ کوئی ایسی ہی تعریف کی جائے جیسی مرجیہ نے کی تھی۔ چنانچہ اسلام اور ایمان کے امتیاز کے ساتھ مرجیہ عقائد کی ترمیم شدہ شکل کچھ عرصہ بعد اہل سنت یعنی امت کے سواد اعظم کے عقیدہ کا جزو لازم بن گئی۔

صحیحین کی مندرجہ ذیل مشہور و معروف حدیث ان مرجیہ عقائد کا ایک

بہترین نمونہ ہے :—

عن ابي ذر قال : اتيت النبي صلى الله عليه وسلم وعليه ثوب ابيض وهو نائم ثم اتيته وقد استيقظ فقال : ما من عبد قال لا اله الا الله ثم مات على ذلك الا دخل الجنة - قلت : وان زني وان سرق؟ قال : وان زنى وان سرق قلت : وان زني وان سرق ؟ قال : وان زنى وان سرق قلت: وان زنى وان سرق ؟ قال : وان زنى وان سرق على رغـــم انف ابي ذر (متفق عليه)

یعنی ” حضرت ابو ذر رض سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا - آپ ایک سفید چادر اوڑھے آرام فرما رہے تھے - میں پھر حاضر ہوا تو آپ جاگ چکے تھے۔ آپ ص نے فرمایا کہ جس نے کلمہ لاالہ الااللہ پڑھا اور اس پر ایمان رکھتا ہوا اس دنیا سے کوچ کر گیا ، وہ ضرور جنت میں جائیگا - میں نے عرض کیا : خواہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو ؟ آپ ص نے فرمایا : ہاں خواہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو ؟ میں نے کہا : خواہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو ؟ آپ ص نے فرمایا : ہاں خواہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو - میں نے سہ بارہ پوچھا : خواہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو ؟ آپ ص نے فرمایا : ہاں خواہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو ، اور چاہے اس سے ابو ذر کی ناک خاک میں کیوں نہ آلودہ ہو -“ اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب کبھی حضرت ابوذر رض یہ حدیث روایت کرتے ، وہ اس فقرہ کو فخریہ دھراتے - ” خواہ ابو ذر کی ناک خاک ہی میں کیوں نہ آلودہ ہو -“ (۸) امام ابو یوسف رح نے یہی حدیث کتاب الآثار میں حضرت ابو ذر رض سے نہیں بلکہ ایک اور صحابی حضرت ابو الدرداء رض سے روایت کی ہے - ساتھ ہی امام ابو یوسف رح نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابو الدرداء رض یہ حدیث ہر جمعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر سے روایت کیا کرتے تھے (۹) -

چونکہ اس روایت میں کہا گیا ہے کہ زنا اور چوری کا ارتکاب کرنے کے بعد بھی ایک شخص اچھا (جنتی) مسلمان رہ سکتا ہے اس لئے اس کا قوی احتمال

تھا کہ بعض طبائع کی اخلاقی حس کو دھچکا لگتا ۔ اس کا ازالہ پورے طور پر تو ممکن نہ تھا مگر جزوی طور پر اس ناگواری کو رفع کرنے کی غرض سے سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی کی ایک حدیث میں نسبتاً اعتدال پسنداله خیال پیش کیا گیا ۔ وہ حدیث درج ذیل ہے :—

عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اذا زني العبد خرج منه الايمان فكان فوق راسه كالظلة فاذا خرج من ذالك العمل رجع اليه الايمان ( رواه الترمذي و ابو داؤد )

یعنی "حضرت ابو ہریرہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص زنا کرتا ہے تو اس کے دل سے ایمان نکل جاتا ہے اور اس کے سر پر ایک چھتر کی مانند لٹکا رہتا ہے ۔ لیکن جب وہ (گناہ کی) اس حالت سے باہر نکل آتا ہے تو اس کا ایمان عود کر آتا ہے"۔ (۱۰) صحیحین میں اسی مضمون کی حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رض سے بہ الفاظ ذیل مروی ہے :—

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم لايزنى الزانى حين يزنى وهومومن ولايسرق السارق حين يسرق وهو مومن - (متفق عليه)

یعنی " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زانی زنا کرتے وقت اور چور چوری کرتے وقت مومن نہیں رہتا ۔" (۱۱)

عقائد و کلام کی اس نا مختتم جنگ میں اہل السنت والجماعت کے امام ابوالحسن اشعری، امام محمد بن محمد ما تریدی اور ان کے جانشینوں نے اسلامی عقائد کو بالاخر اس طرح پر تشکیل دیا جس میں نہ تو ضرورت سے زیادہ آزادی اور انتہا پسندی تھی اور نہ نظر کی تنگی اور کوتاہی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خارجیت اور اعتزال کی تحریکیں سرد پڑ گئیں اور امت کے سر سے یہ خطرہ ٹل گیا کہ اس کے افراد اپنے ہاتھوں آپ ہلاک ہوجائیں گے ۔

امت کے استحکام کو دوسرا بڑا خطرہ اس وقت لاحق ہوا جب جبر و اختیار کے مسئلے پر بحث چھڑ گئی - یہ نزاع شاخسانہ تھی عقیدہ اور عمل کے باہمی تعلق اور '' مسلم '' کی صحیح تعریف کی اس بحث کا جس نے دوسری اور تیسری صدی ہجری میں امت مسلمہ کی وحدت کو جڑوں سے ہلا دیا تھا - جب جبر و اختیار پر تاریخی حیثیت سے نظر ڈالتے ہیں تو مجموعی حیثیت سے وہی منظر ہمارے سامنے ابھرتا ہے جس کا نقشہ ہم اوپر کھینچ چکے ہیں - فرق یہ ہے کہ پہلا مسئلہ خوارج نے پیدا کیا تھا اور دوسرا معتزلہ نے جو کلام و عقائد کے دائرہ میں ایک لحاظ سے خوارج کے وارث تھے - یہ دونوں مسائل فی الحقیقت ایک دوسرے سے مربوط ہیں - کیونکہ اگر انسان اپنے ارادہ اور (اس پر قیاس کرتے ہوئے ) ارادے کے مطابق عمل پر پورا پورا اختیار رکھتا ہے ' تو اس کے عمل اس کی باطنی کیفیت کے آئینہ دار ہوں گے اور وہ اپنے ارادوں اور اعمال دونوں کا پورے طور سے ذمہ دار ہوگا - لیکن اگر حقیقت یہی ہے ( جیسا کہ معتزلہ کا عقیدہ ہے ) تو یہ ابتدائی بحث کہ کون واقعۃً مسلمان ہے اور کون نہیں (جو خوارج نے چھیڑی تھی ) از سر نو چھڑ جائے گی - دوسرے الفاظ میں اعتزال کا خارجیت کے لئے حیات نو کا پیام بر ہونا ناگزیر ہے - علاوہ ازیں مذہبی ذہنیت رکھنے والے افراد کے نزدیک معتزلی عقلیت انسانیت پرستی کی ایک بھدی شکل تھی - کہ چند افراد اپنے مزعومہ تصور عدل و صداقت کو ذات باری تعالی پر ٹھونسنا چاہتے تھے غالباً انھی دونوں خطرات کے پیش نظر کثیر تعداد میں ایسی احادیث کی اشاعت کی جانے لگی جن میں ارادہ ' نیت اور عمل تینوں سطحوں پر جبر کی تعلیم دی گئی - ہم اس سلسلہ' مقالات کی دوسری قسط میں جبر کی تعلیم پر مشتمل حدیث کی ایک نسبۃً ابتدائی صورت کا ذکر کرچکے ہیں - لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اس نوع کی احادیث میں چند در چند اضافہ ہوتا گیا - مثلاً مسند احمد بن حنبل اور سنن ابی داؤد کی ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :—

القدریة مجوس ھذہ الامة ان مرضوا فلاتعودوھم وان ماتوا فلا تشھدوھم ( رواہ احمد وابو داؤد عن عبداللہ بن عمر )

یعنی '' جو لوگ قدر (انسانی اختیار و آزادی ) پر یقین رکھتے ہیں وہ اس امت کے مجوس ہیں ۔ اگر وہ بیمار پڑیں تو ان کی عیادت نہ کرنا اور ان کی موت واقع ہو تو ان کے جنازہ میں نہ جانا۔'' اس حدیث میں ایک طرف تو معتزلہ کے مکمل مقاطعہ کی تلقین کی گئی ہے دوسری طرف خالص علمی انداز میں سلسلہ بہ سلسلہ منطقی ترتیب کے ساتھ فلسفیانہ استدلال کا ایک ایسا پیچیدہ طرز اختیار کیا گیا ہے جس کو ساتویں صدی کے اوائل کے عربوں کی طرف منسوب کرنا بالکل نا درست ہوگا ۔ مخفی استدلال کی کڑیاں کچھ اس طرح جوڑی جاسکتی ہیں کہ اللہ تعالی قادر مطلق ہے ۔ لیکن اگر کوئی قادر مطلق ہستی موجود ہے تو کسی دوسری ہستی کو قدرت مطلقہ تو درکنار ' محض قدرت کی صفت سے بھی متصف نہیں کیا جاسکتا ۔ لیکن اگر انسان اپنے افعال و اعمال کا مختار ہے تو وہ یقیناً قادر بھی ہے ۔ اس لئے انسانی اختیار کو حقیقی تسلیم کرنا واقعۃً دو مساوی القدرت ہستیوں کے وجود کو تسلیم کرنے کے مترادف ہوگا یعنی یہ کہ ایک طرف تو خدا قادر مطلق ہے اور دوسری طرف انسان بھی اپنے افعال پر پورا پورا اختیار رکھتا ہے ۔ کیونکہ اگر ہم انسانی قدرت و اختیار کو اصلی اور حقیقی نہیں مانتے بلکہ اسے قدرت الہی کا پرتو قرار دیتے ہیں تو انسانی اختیار باطل ہوجاتا ہے ۔ اب اگر فکر انسانی کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ مجوسیوں نے یزدان و اہرمن دو قدرت رکھنے والی ہستیوں کو مانا ' اس لئے ثابت ہوا کہ انسانی قدرت و اختیار کا عقیدہ در حقیقت مجوسیت کی ایک شکل ہے ۔

ایک اور حدیث میں حضرت عمر رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لا تجالسوا اهل القدر ولا تفاتحوهم ( رواه ابو داؤد )

یعنی '' قدریہ (انسانی اختیار و آزادی کا عقیدہ رکھنے والوں) کی صحبت میں نہ بیٹھو ' نہ اپنے معاملات ان سے فیصل کراؤ '' (۱۳)

مسلم اور بخاری کی ایک حدیث میں ابو ہریرہ رض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے :—

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان

الله کتب علی ابن آدم حظه من الزنا ادرك ذلك لا محالة فزنا العين النظر و زنا اللسان المنطق والنفس تمنی و تشتهی والفرج يصدق ذلك ويكذبه (متفق عليه)

یعنی '' ابن آدم کے لئے یہ پہلے سے مقدر کردیا گیا ہے کہ وہ کتنی بار زنا کرے گا، چنانچہ اس سے اسے چھٹکارا نہیں - پس آنکھ کا زنا بد نگاہی ہے ہے- زبان کا زنا ( فحش یا نامحرم سے ) گفتگو ہے - (جنسی ) خواہشات در حقیقت دل میں پیدا ہوتی ہیں ' شہوانی اعضا صرف اس کی توثیق یا تردید کرتے ہیں '' (۱۴) بہت سی احادیث میں بڑے تعین اور نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالی نے روحوں کی تخلیق کے وقت بعض کے لئے جنت اور بعض لئے دوزخ مقدر کردی - ان میں سے بعض احادیث ایسی بھی ہیں جن میں انسانوں کی اس سعادت و شقاوت کے بارے میں خدا کی طرف سے '' لاابالی '' (مجھے کوئی پرواہ نہیں ) کا اعلان کیا گیا ہے (۱۵) - بخاری اور مسلم کی روایت کردہ ایک حدیث درج ذیل ہے :-

عن ابن مسعود قال حدثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وهوالصادق والمصدوق ان خلق احدكم يجمع فی بطن امه اربعين يوما نطفة ثم يكون علقة مثل ذلك ثم يكون مضغة مثل ذلك ثم يبعث الله اليه ملكا باربع كلمات فيكتب عمله و اجله و رزقه وشقی او سعيد ثم ينفخ فيه الروح فوالذی لااله غيره ان احدكم ليعمل بعمل اهل الجنة حتی ما يكون بينه وبينها الا ذراع فيسبق عليه الكتاب فيعمل بعمل اهل الجنة فيدخلها (متفق عليه)

''یعنی عبداللہ بن مسعود رض سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا (اور آپ صادق و مصدوق تھے ) کہ جب تم میں سے کسی کا جنین رحم مادر میں چالیس دن کا ہوتا ہے تو

وہ ( آپ نے ھاتھ کے اشارے سے فرمایا کہ ) ایسا لوتھڑا ھوتا ھے پھر ایسی شکل اختیار کرتا ھے - پھر اللہ اس کی طرف اپنا ایک فرشتہ بھیجتا ھے جو اس کے لئے چار باتیں لکھ دیتا ھے - اس کے اعمال ' اس کی مدت حیات ' اسکا رزق ' اور اس کا شقی یا سعید ھونا - تب اس لوتھڑے میں وہ روح پھونکتا ھے - چنانچہ قسم ھے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تم میں سے کوئی جنتیوں کے سے کام کرتا رھے گا یہاں تک کہ اس میں اور جنت میں صرف چند گز کا فاصلہ رہ جائے گا کہ اس فرشتہ کا لکھا اس کے آگے آئے گا اور وہ دوزخیوں کے سے کام کر بیٹھے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ھوگا - اس کے برخلاف تم میں سے کوئی دوزخیوں کے سے کام کرتا رھے گا یہاں تک کہ اس میں اور دوزخ میں صرف چند گز کا فاصلہ رہ جائے گا - اس فرشتے کا لکھا اس کے آڑے آئے گا اور وہ جنتیوں کے سے کام کرڈالے گا اور جنت میں داخل ھوجائے گا۔(۱۱)

اوپر کی بحث سے یہ نہ سمجھ لینا چاھئے کہ احادیث صرف جبریت کی تعلیم پر مشتمل ھیں یعنی ان میں آئندہ حالات و واقعات کو پہلے سے مقدر فرض کر لیا گیا ھے - اھل السنت کی بعض احادیث ( اگرچہ ان کی تعداد نسبتاً کم ھے ) اس مسئلہ پر بالکل مختلف زاویے سے روشنی ڈالتی ھیں - مثلاً بخاری اور مسلم کی مشہور حدیث ھے جس میں حضرت ابو ھریرہ رض سے مروی ھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

كل مولود يولد على الفطرة فابواه يهودانه او ينصرانه او يمجسانه ( الى آخر الحديث )

یعنی " ھر بچہ فطرت سلیم لے کر پیدا ھوتا ھے لیکن اس کے والدین اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ھیں -" (۱۲) ایک اور حدیث جسے ترمذی ' ابن ماجہ اور احمد بن حنبل نے روایت کیا ھے حسب ذیل ھے :—

عن ابي خزامه عن ابيه (يعمر) قال قلت يا رسول الله ارايت رقى نسترقيها ودواءً نتداوى به وتقاة نتقيها هل ترد من قدر الله شيئا؟ قال : هي من قدر الله (رواه احمد والترمذی وابن ماجه)

یعنی رسول اللہ ص سے حضرت یعمر رض نے دریافت کیا کہ ھم (بیماری

وغیرہ کے خلاف) احتیاطی تدابیر کے طور پر جو تعویذ اور دوائیں اور پرہیز کرتے ہیں - کیا آپ کے خیال میں وہ تقدیر الٰہی کے انکار پر دلالت کرتی ہیں ؟ رسول اللہ صلعم نے جواب دیا نہیں وہ تقدیر الٰہی کا خود ایک جزو ہیں" حدیث کی اس قسم کے تحت یہ روایت بھی آتی ہے کہ طاعون عمواس کے زمانہ میں حضرت عمر رض نے اسلامی فوج کو طاعون زدہ مقام سے ہٹا کر دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیا - اس پر اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رض نے اعتراضاً کہا : أفراراً من قدر الله ؟ ("کیا ہم اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں ؟ ") حضرت عمر رض نے جواب دیا : نعم ، من قدر الله الی قدر الله - یعنی " ہاں ہم اللہ کی ایک قضا سے دوسری قضا کی طرف بھاگ رہے ہیں - " (۱۹) اس دوسری قسم کی حدیث کے باوجود جو جبر کی احادیث کے بالمقابل ایک توازن پیدا کرنے کی کوشش سے عبارت تھی جبری احادیث سے اہل السنت نسبتاً بہت زیادہ متاثر ہوئے - لیکن اہل تشیع پر (جو اس اعتبار سے معتزلی روایات پر قائم رہے ) ان کا کوئی اثر نہیں ہوا - اہل سنت کے متاخرین میں سے بعض با اثر افراد نے زمانہ ما بعد میں ان جبری احادیث اور بالخصوص ان کی صوفیانہ تعبیر کے خلاف اپنی آواز بلند کی - ان میں سب سے زیادہ ممتاز افراد امام ابن تیمیہ رح اور شیخ احمد سرہندی رح ہیں -

تصوف کی مخالفت اور موافقت میں جو احادیث روایت کی گئی ہیں ان سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اہل سنت و الجماعت ایک درمیانی راہ اختیار کرنے اور انتہا پسندی کے رجحانات کو بڑھنے سے روکنے کے لئے کوشاں تھے-اس مقام پر یہ نامناسب ہو گا کہ ہم تصوف کی ابتداء اور اس کی نشو و نما کے عوامل سے بحث کریں - اس امر کا انکار کئے بغیر کہ (جیسا کہ ہر معاشرہ میں ہوتا ہے) صحابہ کرام رض میں سے بعض کے مزاج میں زہد و تقشف کے میلانات ، مجاہدانہ خصوصیات اور فعالانہ صفات سے زیادہ قوی تھے ، اس حقیقت کا اعتراف کرنا ہو گا کہ دوسری اور بالخصوص تیسری صدی

هجری سے تصوف کا ارتقاء جس طور پر عمل میں آیا صحابہ رض اور تابعین رح کی عملی زندگی میں اس کا کوئی جواز نہیں ملتا - تصوف کا اصلی اور ابتدائی محرک ایک طرف تو مسلمانوں کی خانہ جنگیاں تھیں اور دوسری طرف فقہی لظامات کا لشو و ارتقاء تھا - اپنی ابتدائی صورت میں وہ انفرادیت پسندانہ کنارہ کشی ، گوشہ گیری و لیز انتہائی زهد و تقشف کی علمبردار تھی - هم لے مسلمانوں کی باهمی خانہ جنگیوں کے سلسلے میں ایسی احادیث کا تذکرہ کیا ہے جن میں حد سے زیادہ بڑھی ہوئی گوشہ گیری اور ترک علائق کی تعلیم دی گئی ہے - لیکن اس قسم کی احادیث سے صرف ایک مخصوص سیاسی طرز عمل کا اظہار ہی نہیں ہوتا بلکہ ان میں روحانیت کی ایک متعین کیفیت بھی لظر آتی ہے - مزید برآں صحیح بخاری کی کتاب الجہاد میں ایک حدیث ہے جس میں رسول اللہ صہ مسلمانوں کو پہاڑ کے غار میں جا بیٹھنے کی ہدایت فرماتے ہیں - وہ حدیث درج ذیل ہے :-

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قیل یا رسول اللہ ای‌الناس افضل فقال رسول اللہ علیہ وسلم مومن یجاھد فی سبیل‌اللہ بنفسہ ومالہ قالوا ثم من ؟ قال مومن فی شعب من الشعاب یتقی اللہ ویدع الناس من شرہ

یعنی '' حضرت ابو سعید الخدری رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون لوگ سب سے افضل ہیں ؟ رسول اللہ صہ لے فرمایا : وہ مومن جو اللہ کے راستے میں اپنی جان اور مال سے جہاد کرتا ہے - لوگوں لے پوچھا : پھر کون ؟ آپ لے فرمایا : وہ مومن جو کسی پہاڑ کے غار میں بیٹھا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھتا ہے - '' (۲۰) یہ واقعہ کہ حدیث مذکورہ صحیح بخاری کے اس باب میں آئی ہے جس میں جہاد و قتال کی احادیث جمع کی گئی ہیں اس امر کا نمایاں ثبوت ہے کہ صوفی تحریک کا اثر و نفوذ کس قدر بڑھ گیا تھا اور اهل‌السنت میں باهمہ ہولے کا جذبہ کس حد تک کار فرما تھا -

زاویہ نشینی اور ترک دنیا کے رجحان کی مخالف احادیث بھی ہمیں ملتی ہیں جو اپنی قوت تاثیر کے لحاظ سے اول الذکر احادیث سے کسی طرح کمتر

نہیں ہیں - وہ احادیث جن میں صوفیا کے نظریہ' توکل کی انتہائی تعبیرات کے برعکس مسلمانوں کو کسب معاش کی ہدایت کی گئی ہے اور جن میں حد غلو تک پہنچے ہوئے زہد و تقشف کی مذمت کی گئی ہے اتنی مشہور و معروف ہیں کہ ان کے حوالے دینا ہمیں غیر ضروری نظر آتا ہے - (۲۱) - بہر حال اس مضمون کی احادیث کی چبھتی ہوئی مثال وہ حدیث ہے جس کے الفاظ ہیں :-

رهبانية هذه الامة الجهاد في سبيل الله عز وجل -

یعنی ''اللہ کی راہ میں جہاد ہی اس امت کی رہبانیت ہے'' (۲۲)- لیکن اس سلسلے کی سب سے زیادہ قابل توجہ حدیث وہ ہے جو نسائی نے حضرت انس رض سے روایت کی ہے - اور درج ذیل ہے :-

عن انس قال قال رسول الله صلي الله عليه وسلم حبب لی من الدنیا النساء والطیب وجعل قرة عینی فی الصلوة -

یعنی '' حضرت انس رض سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی چیزوں میں مجھے عورتیں اور خوشبو سب سے زیادہ پسند ہیں مگر جس چیز سے میری آنکھوں میں ٹھنڈک پہنچتی ہے وہ نماز ہے'' (۲۳) اس حدیث کے تینوں عناصر الگ الگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی نمائندگی کرتے ہیں - لیکن دنیوی مسرت کو ایک ہی سانس میں دینی عبادت کے ساتھ جس طرح جوڑ دیا گیا ہے اور دو مختلف النوع اقدار کو جس انمل بے جوڑ طریقے پر ایک دوسرے سے مربوط کیا گیا ہے وہ یقیناً ایک مصنوعی ترکیب ہے جسے رسول اللہ صلعم کی طرف ہرگز منسوب نہیں کیا جا سکتا - یہ امر بالکل یقینی معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث سے صوفیوں کی ایک خاص قسم کی غیر موتلف (unintegrated) روحانیت کو ہدف ملامت بنانا تھا اور بس -

اس سلسلہ' مقالات کے گذشتہ تمام صفحات میں ہم نے احادیث کے ارتقاء کا جو خاکہ پیش کیا ہے اس میں ہم نے عمداً وہ احادیث منتخب کی ہیں جنہیں '' اصولی '' احادیث کہا جاسکتا ہے یعنی وہ احادیث جن سے اسلام کی ابتدائی تشکیلی (formative) دور کی مذہبی تاریخ کے بنیادی منازل کی نشاندہی

ھوتی ھے - اور جن کے پس منظر میں سواداعظم یعنی فرقہ اھل السنہ "والجماعہ" کی تشکیل کی تاریخ ابھر آتی ھے -

اگرچہ اجماع جیسے اصولی تصورات کا اسلام کے فقہی نظام سے بھی یقیناً راست تعلق ھے لیکن ھم نے اس سلسلہ' مقالات میں فقہی احادیث کے ارتقاء کا قصداً ذکر نہیں کیا - کیونکہ ان سے مسلمانوں کے گروہ اھل السنت و الجماعت کی تشکیل کے عمل کی اس قدر وضاحت نہیں ھوتی ، جس قدر ان احادیث سے جنھیں ھم نے '' اصولی '' کہا ھے - بایں ھمہ فقہی اور ''اصولی'' احادیث میں قدر مشترک اور ان دونوں کے ارتقا کی سمت واحد ' یہ امر ھے کہ یہ دونوں قسم کی حدیثیں صرف سنت نبوی کی ' اس کے معین ظاھری مفہوم میں' مظہر نہیں بلکہ یہ قرون اولی کے مسلمانوں کی ''زندہ اور جاری سنت'' کو بھی منعکس کرتی ھیں -

احادیث کے عظیم ذخیرے میں سے ظاھری لغوی مفہوم والی سنت نبوی کو '' زندہ اور جاری سنت '' سے بتمامھا علیحدہ کر لینا نا ممکن اگر نہیں تو از حد مشکل ضرور ھے - لیکن اگر با قاعدہ اور سنجیدہ علمی کوشش کی جائے تو بعض بنیادی خصوصیات و امتیازات کی یقیناً نشاندھی کی جاسکتی ھے - نہ صرف علمی نقطہ نظر سے بلکہ دینی لحاظ سے بھی مسلمانوں پر یہ فرض عائد ھوتا ھے کہ وہ اس طرح کی کوشش کریں اور ارتقا کے ان مختلف مراحل کا سراغ لگائیں جن سے درجہ بدرجہ گزر کر فقہی احادیث اپنی آخری صورت میں متشکل ھوئیں - اس ارتقائی عمل کی چند واضح مثالیں ھم اپنے مقالہ ''تحقیق ربوا'' میں پیش کر چکے ھیں جو اس رسالہ کے گذشتہ شمارہ میں شائع ھوا تھا - ھمیں یقین ھے کہ فقہی احادیث کے تاریخی مطالعہ سے ملت مسلمہ کے بہت سے موجودہ مسائل کے حل کرنے میں بیش بہا مدد مل سکتی ھے-

فھل من مدّکر!؟

۱ - مشکوٰۃ المصابیح - مطبوعہ مجتبائی ' دھلی ' سنہ ۱۹۳۲ ع ' ص ۳۶۱
۲ - ایضاً - ص ۳۶۳ -
۳ - ایضاً - ص ۳۶۱ -
۴ - ایضاً - ص ۳۶۲ -
۵ - ایضاً - ص ۳۶۲ -
۶ - ایضاً - ص ۳۶۲ -
۷ - ایضاً - ص ۳۰ - اسی مضمون کی اور حدیثیں صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب طاعۃ الامیر الخ میں مختلف طریقوں سے مروی ھیں اور ان میں بھی فقرہ " عبداً حبشیاً " یا " عبداً حبشیا مجدعاً " موجود ھے -
۸ - ایضاً - ص ۱۲ -
۹ - امام ابو یوسف : کتاب الآثار - مطبوعہ قاھرہ سنہ ۱۳۵۵ھ اثر نمبر ۸۹۱ -
۱۰ - مشکوٰۃ المصابیح - ص ۱۸ - ایضاً - ص ۱۷ -
۱۱ - ایضاً - ص ۱۷ -
۱۲ - ایضاً - ص ۳۲ -
۱۳ - ایضاً - ص ۲۲ -
۱۴ - ایضاً - ص ۲۰ -
۱۵ - ایضاً - ص ۲۰ تا ۳۳ - مسند احمد بن حنبل میں " لاابالی " والی حدیث حضرت ابو الدرداء سے مروی ھے - ج ۳ ص ۲۳ تا ۲۴ -
۱۶ - ایضاً - ص ۲۰ -
۱۷ - ایضاً - ص ۲۱ -
۱۸ - ایضاً - ص ۲۲ -
۱۹ - ابن الاثیر : تاریخ الکامل - مطبوعہ قاھرہ ' سنہ ۱۲۹۰ھ ' ج ۲ ' ص ۲۳۶ -
اسی مضمون کی ایک روایت امام طحاوی کی شرح معانی الآثار ( مطبوعہ دھلی ' تاریخ ندارد ) کے صفحہ ۳۱۳ پر درج ھے -
۲۰ - صحیح بخاری - کتاب الجہاد و السیر ' دوسرا باب -
۲۱ - مثال کے طور پر ملاحظہ ھو مشکوٰۃ المصابیح - ص ۲۷ - ۲۲۱ تا ۲۲۳ -
ایضاً - کتاب العلم ( ص ۳۲ تا ۳۸ ) کی متعدد احادیث -
۲۲ - امام احمد بن حنبل : مسند - مطبوعہ میمنیہ ' مصر ' سنہ ۱۳۱۳ھ ' ج ۳ ص ۸۲ و ۲۸۶ -
۲۳ - نسائی : سنن - کتاب عشرۃ النساء ' باب حب النساء ' پہلی حدیث -